بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اشارات

جو لوگ مسلمانانِ پاک و ہند کے دینی مزاج، اخلاقی شعور اور اُن کے اندر پیدا ہونے والے تغیرات کا تھوڑا سا بھی علم رکھتے ہیں، وہ اس حقیقت سے بخوبی واقف ہیں کہ غیر ملکی علوم و فنون کی یلغار کے نتیجہ میں اُبھرنے والی عقلیت پرستی کی تحریک نے ایک طبقے کو کافی حد تک مرعوب و متاثر تو کیا لیکن وہ اسے اسلام کا باغی نہ بنا سکی۔ اسی طرح مغربی تہذیب و تمدن کی یورش سے مسلمانوں کے ایک خاص گروہ کے اندر اخلاقی بگاڑ تو بلاشبہ رونما ہوا لیکن عوام میں اسلامی اقدار کا احترام بدستور باقی رہا اور اخلاقی بگاڑ کوئی ہمہ گیر وبائی صورت اختیار نہ کر سکا۔ مگر اس انحطاط کو بھی مسلمانوں کے حسّاس بہی خواہوں نے بالکل آغاز ہی میں پوری شدت سے محسوس کر کے اِس ناپاک عمل کو روکنے اور حالات کو رُو بہ اصلاح کرنے کے لیے اپنی بساط کے مطابق کوششیں شروع کر دیں۔ اہلِ علم کے ایک گروہ نے پوری قوتِ استدلال کے ساتھ مغربی تہذیب کا فسوں توڑا، دوسرے گروہ نے بڑے علمی انداز میں دیگر مذاہب پر اسلام کی برتری ثابت کی، تیسرے گروہ نے جگہ جگہ دینی مدارس قائم کر کے قرآن و سنّت کی تعلیم کو عام کیا۔ یہ مدارس مغربی تہذیب کے طوفان میں ایمان کی سلامتی کے لیے کشتیٔ نوح ثابت ہوئے۔ مسلم علماء کے ایک گروہ نے اسلام کے بارے میں غیروں کی پھیلائی ہوئی گمراہیوں سے مسلمانوں کے دل و دماغ کو صاف کیا اور دلائل کے ساتھ یہ بات ثابت کی کہ صرف اسلام ہی دینِ حق ہے۔ مسلمان مؤرخین نے اسلامی تاریخ کے رُخِ روشن سے پردہ ہٹا کر اُمتِ مسلمہ کو اپنے تابناک ماضی سے آشنا کیا۔ پورے ملک میں بہت سی اصلاحی انجمنیں اور ادارے قائم ہوئے تاکہ اہلِ ایمان کی نئی نسل کو

نام نہاد جدید تہذیب و تمدن کی دست برد سے بچایا جا سکے۔

مسلمان رہنماؤں اور ملت کے اِن خیر خواہوں کی کاوشوں کے نتیجہ میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے جاں نثاروں کے اندر یہ اُمنگ پیدا ہوئی کہ انہیں اپنی انفرادی اور اجتماعی زندگی کا ڈھانچہ اُن خطوط پہ استوار کرنا چاہیے جو اللہ تعالیٰ اور اُس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے متعین کیے ہیں۔ چنانچہ آزادیٔ وطن کی ہر تحریک میں مسلمانوں نے اِسی جذبے سے سرشار ہو کر بھرپور حصّہ لیا۔ تحریکِ خلافت اور تحریک پاکستان اسی پاکیزہ جذبے کا عملی اظہار تھیں۔ ظاہر بات ہے کہ جب کوئی قوم اِس مقدس آرزو کی تکمیل کے لیے سرگرمِ عمل ہو تو اُس کے اندر غیر اسلامی تحریکات پرورش نہیں پا سکتیں۔ چنانچہ تحریکِ خلافت سے لے کر قیامِ پاکستان تک مسلم قوم کے اندر جنم لینے والے لادین عناصر کی اوّل تو تعداد ہی بہت کم رہی اور جو تھے بھی، وہ بالکل دبے رہے اور انہیں کسی مرحلہ پر بھی یہ جرأت نہ ہو سکی کہ وہ کھُل کر دینِ حق کے خلاف کوئی ژاژ خائی کر سکیں۔

پاکستان کے معرضِ وجود میں آجانے کے بعد جب مسلمانوں کو یہ موقع فراہم ہو گیا کہ وہ اپنی اجتماعی زندگی کو اسلامی اصولوں کے مطابق تشکیل دیں تو ان کی صفوں میں چھپے ہوئے اعدائے دین لنگر لنگوٹے کس کر سامنے آگئے اور اِس بات کے لیے کوشاں ہوئے کہ مسلمانوں کا یہ عزم کسی طرح پایۂ تکمیل تک نہ پہنچنے پائے۔ انہوں نے اپنی اِس ناپاک جدوجہد کے لیے چار میدان خاص طور پر منتخب کیے: ذرائع ابلاغ، بیوروکریسی، مزدور انجمنیں اور ثقافتی ادارے۔ لاہور میں پاکستان ٹائمز اور امروز کے دفاتر لادینی سرگرمیوں کے خصوصی مراکز بنے۔ ملک کے اندر جس قدر ریڈیو اسٹیشن قائم تھے ان سب پر ایک گہری سازش کے ذریعے یہ سُرخ عناصر پوری طرح قابض ہو گئے۔ مزدوروں کے اندر انہوں نے ایسی نمائشی تنظیمیں قائم کر لیں جن کی غرض و غایت مزدوروں کے حقوق کا تحفظ نہ تھا بلکہ آجر و اجیر کے درمیان پیہم تصادم کی صورت پیدا کر کے سرخ انقلاب کی راہ ہموار کرنا تھا۔ ثقافتی انجمنوں اور اداروں نے ان لادین عناصر کی سرپرستی میں عوام، خصوصاً نوجوان نسل کو اخلاقی طور پر بگاڑنے کی سرتوڑ کوششیں شروع کر دیں۔ پھر اُن کا ایک طبقہ حزبِ اختلاف کا دمساز بن کر اور دوسرا حکومت کے ایوانوں میں کلیدی آسامیوں پر مسلط ہو کر راعی اور رعایا

کے تعلقات مسلسل خراب کرتا رہا۔ ہمارے ملک کے حکمران چونکہ شروع ہی سے ان بے دین عناصر کے نرغے میں گھرے ہوئے تھے اس لیے انہوں نے اُن کے مشوروں پر عمل کرتے ہوئے حکمرانی کے آمرانہ طور طریقے اپنانے کی کوشش کی۔ اِن فرمانرواؤں کی یہ غلط اور عاقبت نااندیشانہ روش چونکہ دین کے ان دشمنوں کے لیے سودمند تھی اس لیے انہوں نے پاکستان کے سربراہوں کو کبھی راہِ راست پر نہ آنے دیا۔ پاکستانی عوام کی اسلام سے گہری عقیدت اور جذباتی لگاؤ کو دیکھ کر اشتراکی دانشور اس بارے میں قطعاً پُرامید نہ تھے کہ انہیں چند سالوں میں اشتراکیت کا حلقہ بگوش بنا لیں گے لیکن اس بات سے کافی حد تک مطمئن تھے کہ اگر وہ حکمران طبقہ میں پوری یکسوئی سے کام کرتے رہے تو انہیں اس میں سے ایسی معتد بہ تعداد ضرور دستیاب ہو جائے گی جو اگرچہ اسلام کی کھلی دشمن تو نہ ہو لیکن دینِ حق سے یکسر بیگانہ اور کفر والحاد کے لیے اپنے دل میں نرم گوشہ رکھنے والی ہو گی جو حکمران اپنے دل میں آمرانہ عزائم پالتے ہوں خوشامد اُن کی سب سے بڑی کمزوری ہوتی ہے۔ وہ ہر لمحہ اس بات کے آرزو مند رہتے ہیں کہ کچھ لوگ اُن کے کانوں میں خوش کن باتیں ڈالتے رہیں۔ اِس ملک کے بے ضمیر اور لادین عناصر بڑی آسانی سے انہیں شیشے میں اُتار کر اُن سے نہ صرف اپنے لیے اور اپنے ہم مسلک افراد کے لیے ہر قسم کی دُنیوی مراعات حاصل کرتے رہے بلکہ انہوں نے حکمرانوں کو ہر معقول اور منصفانہ قدم اُٹھانے سے بھی باز رکھا تاکہ کہیں عوام میں مقبول ہو کر اِن عناصر کی مدح وستائش اور معاونت و دستگیری سے بے نیاز نہ ہو جائیں اور اس راہ پر نہ چل نکلیں جسے اسلام نے صراطِ مستقیم سے تعبیر کیا ہے اور جس پر چلنے کے لیے مسلمانوں نے ایک الگ خطۂ ارض کا مطالبہ کیا تھا۔ یہ دین دشمن عناصر شروع ہی سے پاکستان کو اپنی جاگیر سمجھ رہے تھے اور انہیں اپنی قوت اور عوام میں اپنے اثر و نفوذ کا اس قدر زیادہ غرۃ تھا کہ انہوں نے فوجی سازش کے ذریعے اشتراکی اقلیت کو مسلم اکثریت پر بالجبر مسلط کرنے کی کوشش کی لیکن قادرِ مطلق نے ان ناپاک منصوبوں کو یکسر خاک میں ملا دیا اور یہ ملک خونی انقلاب کی تباہ کاریوں سے بچ گیا۔

اس مسلح سازش کی ناکامی کے بعد مارکس اور لینن کے ان پرستاروں کو اپنی قوت کا صحیح اندازہ ہو گیا اور اُن کے سامنے یہ حقیقت بھی کھل کر آ گئی کہ وہ اس ملک پر کسی فوجی انقلاب کے ذریعے قابض نہیں ہو سکتے۔ اسی لیے انہوں نے ایک طرف تو ثقافتی اور معاشی میدانوں میں اپنی تخریبی کارروائیاں زور و شور سے

شروع کر دیں اور دوسری طرف شاہ کے مصاحبین بن کر ملک کے اندر لادینی فتنوں کو اُبھارنے اور منظم کرنے کی کوشش کی۔ ان لوگوں کی دین کے خلاف سازشوں اور معاندانہ سرگرمیوں کے نتائج ہماری زندگی کے ہر گوشے میں بآسانی دیکھے جا سکتے ہیں۔

آپ قیام پاکستان سے لے کر اس وقت تک کے حالات پر غور کریں تو آپ یہ بات شدت سے محسوس کریں گے کہ جو سرزمین اسلام کی تجربہ گاہ کے طور پر حاصل کی گئی تھی وہ آہستہ آہستہ کفر و الحاد، انتشار و آئیڈیالوجی اور فسق و فجور کی آماجگاہ بنتی جا رہی ہے۔ اس ملک کے آئین کے بارے میں یوں تو شروع ہی سے ایک اُلجھاؤ پیدا کیا گیا اور مغرب زدہ طبقوں نے شرارت کے طور پر اس خدشہ کا اظہار شروع کر دیا کہ چودہ سو برس پُرانا دستور دورِ جدید کے مملکتی تقاضوں کو آخر کس طرح پورا کر سکتا ہے؟ اُن کے الفاظ سے اسلامی دستور کے عہدِ جدید میں دوسرے دساتیر پر تفوق و برتری کے بارے میں شکوک و شبہات برابر پیدا ہوتے رہتے تھے مگر وہ جس چیز پر زور دیتے تھے وہ اس قدر تھی کہ اس دستور کے اندر حالات کے مطابق تغیر و تبدل کر دیا جائے۔ اس وقت اس ملک کے کسی طبقے کی ہمت نہ تھی کہ وہ اسلامی نظام کے کسی ایک حصے کو بھی مسترد کر کے یہاں کفر کی عملداری قائم کرے۔ اس زمانے میں نظامِ شریعت کے خلاف سب سے خوفناک سازش جو کی جا سکی وہ سنت کی آئینی حیثیت کو مشتبہ بنانا تھا۔ لیکن علمائے حق کی کوششوں سے یہ فتنہ آغاز ہی میں دب کر رہ گیا اور اُمت کے اجتماعی ضمیر نے اسے کسی حیثیت سے بھی بڑھنے اور پھیلنے نہ دیا۔

ملک غلام محمد کے عہدِ اقتدار میں جب ملک کی سیاسی زندگی زیر و زبر ہوئی اور اُسے عوامی حمایت کھو کر ایک خاص طبقے کی حمایت حاصل کرنے کی ضرورت لاحق ہوئی تو اس کے اِرد گرد چند ایسے دانشور جمع ہو گئے جو اگرچہ کافر تو نہ تھے مگر دلدادۂ فرنگ ہونے کی وجہ سے اسلام سے دُور اور مغرب کے کافرانہ نظامِ زندگی کے قریب تر تھے۔ خصوصاً مغربی معاشرت انہیں بہت پسند تھی اور وہ اس کا کھلے بندوں اظہار بھی کرتے تھے۔ ان فرنگیت مآب اور حکومت میں دخیل اہلِ ہنر کی سرپرستی میں کفر کو آگے بڑھنے کے بڑے مواقع فراہم ہوئے۔ انہوں نے ثقافت کے نام پر فسق و فجور کو خوب پھیلایا اور اس طرح

ملحدانہ افکار و نظریات مسلم معاشرے میں جڑ پکڑنے لگے - ایمان اور پاکبازی دونوں لازم و ملزوم ہیں - اسی طرح الحاد اور فسق و فجور میں چولی دامن کا ساتھ ہے - جس دل میں ایمان کی حرارت ہوگی وہ لازمی طور پر نیکی کی طرف ہی راغب ہوگا اور جو شخص فسق و فجور میں مبتلا ہوگا اُسے کفر ہی راس آئے گا، جس معاشرے میں بے حیائی پھیلتی ہے اس میں ضبطِ نفس کے بندھن ٹوٹتے ہیں، حق و باطل کا امتیاز مٹتا ہے اور کفر اُسے تر نوالہ سمجھ کر بڑی آسانی سے نگل جاتا ہے -

---

سکندر مرزا کے دَورِ حکومت میں بھی ملک کے اندر فحاشی کا دائرہ مسلسل پھیلتا رہا اور کفر و الحاد کو معاشرے کے مختلف طبقوں خصوصاً اُونچے طبقے یا حرام خور ملازمین کے اندر نفوذ کرنے کے مواقع ملتے رہے - یہ شخص اپنی روایتی نا اہلی اور سیاسی شعور کے فقدان کی وجہ سے نوکر شاہی کے ہاتھوں میں محض کٹھ پتلی تھا - خاص طور پر وہ سرکاری عہدیدار جو اس کے ساتھ براہ راست وابستہ تھے وہ اس سے جو کام چاہتے باسانی لے لیتے - اسلامی اقدار ان کے احترام اور اُن کی پابندی کے لحاظ سے مسلم معاشرے کی صورتِ حال مسلسل بگڑتی رہی - سیاسی اور معاشی خلفشار رہا اور ملک کے نظامِ تعلیم میں کربناک انتشار اور نظم ونسق میں خوفناک ابتری نے تخریب پسند قوتوں کی پوری طرح حوصلہ افزائی کی - نتیجہ یہ ہوا کہ ۱۹۴۷ء میں دین سے بغاوت کے جو رجحانات ایک نہایت ہی محدود سے طبقے میں نظر آتے تھے اور جن کی وجہ سے یہ طبقہ اپنے آپ کو اُمت سے بے تعلق سا محسوس کرتا تھا وہ معاشرے کے دوسرے طبقوں میں بھی پھیلنے لگے - اس وقت اس امر کا اندازہ لگانا تو مشکل ہے کہ ان باطل افکار سے کتنے فیصد لوگوں نے کس حد تک اثر قبول کیا - لیکن اس حقیقت سے انکار نہیں کیا جا سکتا کہ مسلمانوں کے دلوں میں کفر و الحاد کے خلاف جو شدید نفرت تھی اُس کی شدت کسی حد تک کم ہوگئی اور وہ ملحد طبقوں سے جو بُعد و بیگانگی محسوس کرتے تھے وہ غیر شعوری طور پر مداہنت میں تبدیل ہونے لگی

ملک غلام محمد اور سکندر مرزا کے دَورِ اقتدار میں اس ملک کے اندر دینِ حق کو جو نقصان پہنچا تاریخ کا کوئی طالب علم اس سے صرفِ نظر نہیں کر سکتا - لیکن یہ حقیقت اپنی جگہ مسلم ہے کہ یہ دونوں فرمانروا اکبر کی طرح دین کا کوئی ایسا تصور نہ رکھتے تھے جسے وہ پاکستان میں حکومت کی قوتِ نافذہ کے ذریعے عوام پر

مسلط کرنا چاہتے ہوں ۔ وہ دین کے بارے میں اپنے کوئی خاص عزائم بھی نہ رکھتے تھے جن کی تکمیل کے لیے انھیں اقتدار کی ضرورت لاحق ہو ۔ اُن کی سیرت و کردار اور اُن کی انفرادی اور اجتماعی سرگرمیوں اور محلاتی سازشوں کو دیکھ کر اس امر کا بخوبی اندازہ ہوتا ہے کہ وہ نشۂ اقتدار کی خاطر مسندِ اقتدار سے طویل عرصے کے لیے چمٹا رہنا چاہتے تھے۔ اس سے زیادہ انھیں اقتدار سے کوئی دلچسپی نہ تھی ۔

ہمارے اس ملک میں جو حکمران ایک بگڑے ہوئے مغل فرمانروا کی طرح دین کے بارے میں اپنے مخصوص تصورات اور اجتماعی زندگی کا مخصوص نقشہ ذہن میں رکھ کر تختِ اقتدار پر قابض ہوا وہ محمد ایوب خاں تھا ۔ جن لوگوں نے اس کی کتاب فرینڈز ناٹ ماسٹرز مطالعہ کی ہے وہ اس کے دینی رجحانات ، اسلامی تعلیمات کے بارے میں اُس کے ذاتی خیالات اور پاکستان میں نفاذِ شریعت کے متعلق اس کے ارادوں سے بخوبی واقف ہیں ۔ وہ اسلام کا دشمن تو نہ تھا لیکن اسلامی تعلیمات کے اندر ایسی تبدیلیاں کرنا چاہتا تھا جن سے پاکستان میں دین کا نام تو رہے لیکن جو اجتماعی نظام قائم ہو وہ اس ملک کو کمال اتاترک کا ترکی بنا دے ۔ چنانچہ اس شخص نے اسلامی نظام کی اساس منہدم کرنے کی غرض سے سنتِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم پر بڑے عامیانہ انداز میں حملے کیے۔ اس کا ایک خطبۂ صدارت جو اس نے اُونچے فوجی افسروں کے ایک خاص اجتماع میں دیا وہ اس کے اصل عزائم کو پوری طرح بے نقاب کر دیتا ہے ۔ اُس میں سنت کی آئینی حیثیت پر بحث کرتے ہوئے پہلے تو راویوں اور اندازِ روایت کا مذاق اُڑاتا ہے پھر تمسخر کے انداز میں کہتا ہے جب اکبر اور جہانگیر کے حالات صحت کے ساتھ قلمبند نہیں کیے جا سکتے جو نسبتاً قریب کے دور کے حکمران ہیں تو یہ کیونکر ممکن ہے کہ آج سے چودہ سو برس پہلے کے کسی شخص کے سوانح من و عن احادیث و سیر کی کتابوں میں محفوظ ہوں ۔ اس ضمن میں فیلڈ مارشل صاحب نے عربوں پر ایک الزام یہ بھی عاید کیا کہ ان لوگوں کی قوتِ متخیلہ بہت تیز ہے اس لیے بہت کچھ زیبِ داستان کے لیے بڑھا لیتے ہیں ۔ پھر اس شخص نے اس کتابچہ میں وقت کے تقاضوں کا بھی بڑے شد و مد کے ساتھ ذکر کیا اور مذہب کے بارے میں یہ نکتہ آفرینی کی کہ مذہب انسان کے لیے ہے نہ کہ انسان مذہب کے لیے ، اس لیے مذہب کو انسان اور اُس کی ضروریات کے تابع رہنا چاہیے ۔

جب پاکستان میں ہمہ مقتدر شخصیت کے دینی افکار و نظریات یہ ہوں تو وہاں کیا باطل کو کھل کھیلنے کے مواقع فراہم نہ ہوں گے؟ چنانچہ اس آمرِ مطلق کے عہد میں اسلام دشمن طاقتوں نے دینِ حق کا راستہ روکنے اور الحاد کی راہ ہموار کرنے کے لیے ایڑی چوٹی کا زور لگایا اور دینی طبقوں کو معاشرے میں بے وقعت اور غیر مؤثر بنانے کے لیے انتہائی کوشش کی۔ حکومت نے ملک کے لادین عناصر کو دین کی بیخ کنی کے لیے جو سازگار ماحول عطا کیا اس سے بھرپور فائدہ اُٹھاتے ہوئے یہ پہلے سے زیادہ منظم اور مستعد ہوئے اور انہیں اپنے ناپاک عزائم کی تکمیل میں خاصی کامیابی بھی ہوئی۔ ہمارے نزدیک لادین عناصر کے لیے ایوب خاں کا دَور اِقتدار انعام و اکرام کا دَور تھا جس میں ان پر مَن بھی خوب برسا اور حکومت کے ایوانوں میں بھی اُن کی غیر معمولی پذیرائی ہوئی۔ پھر اس کا سب سے نمایاں پہلو یہ ہے کہ اس میں مسلم معاشرے کی دینی بنیادیں ڈھاکر اسے از سرِ نو کفر و الحاد کی نئی بنیادوں پر استوار کرنے کے لیے اعدائے دین کے ہاتھ میں سنت کی مخالفت کی صورت میں ایک کارگر ہتھیار تھما دیا گیا۔ چنانچہ دیکھیے اسلام دشمن قوتوں نے سنّت کی آئینی حیثیت کو جس قدر شدت کے ساتھ ایوب خاں کے دور میں چیلنج کیا اس قدر کسی دوسرے دَور میں نہیں کیا۔

یحییٰ خان کا دورِ حکومت دینی نقطۂ نظر سے ملک غلام محمد اور سکندر مرزا کا دَور کہا جا سکتا ہے۔ اِس شخص کے دین کے بارے میں کوئی عزائم اور تصورات نہ تھے۔ اقتدار سے اس کی ایک ہی غرض وابستہ تھی کہ وہ ملک کے سیاہ و سپید کا مالک ہو۔ اس کے وسیع ذرائع و وسائل تنہا اس کے قبضہ میں ہوں اور انہیں وہ اپنی عیش پرستیوں کے لیے جس طرح چاہے خرچ کرے اور کوئی اس سے باز پرس نہ کر سکے۔ ملک میں اس اندوہناک صورت حال سے بھی لادین عناصر ہی کو فائدہ پہنچا۔

پاکستان میں کھل کر مادہ پرستانہ نظریات کے ساتھ اشتراکیت کی عملداری قائم کرنے کے لیے جو شخص گہری سازش کے ذریعے تختِ اقتدار پر قابض ہوا وہ ذوالفقار علی بھٹو ہے۔ اس نے ایک اشتراکی ملک کی عوامی جماعت کے نام پر ایک جماعت کی بنیاد رکھی۔ ہٹلر نے (باقی بر صفحہ ۴۴)